جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب
علامہ اقبالؒ

فہرست مضامین

مسلمانوں کے زوال کے اسباب

علامہ اقبال کی نظر میں

مسلمانوں کے زوال کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں :۔

آہ مسلم بھی زمانہ سے یونہی رخصت ہوا ؛ آسمان سے ابر آزاری اُٹھا برسا گیا

علامہ اقبال مرید ہندی بن کر مولانا روم جن کو وہ اپنا مرشد تصور کرتے ہیں سوال کرتے ہیں اور انکی
مے جواب دیتے ہیں۔

: اب مسلماں میں نہیں وہ رنگ بو ؛ سرد کیوں کر ہو گیا اس کا لہو
: تا دل صاحب دلے نا مد بدرد ؛ ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

وہ قوم جس کا ثریا کی چوٹی پر کبھی قیام تھا وہ قوم جو گلزار عالم کی بہار بن کر ترقی کے آسمانوں پر
ہی تھی آج اس نے تنوطیت کے نشیمن میں اپنے آپ کو قید کر رکھا ہے ۔ وہ قوم جس نے کبھی
آبادی بخشی تھی ۔ ویرانے جس کے قدموں تلے آتے ہی آباد اور گلزار بن جاتے تھے' آج ان کی
بادیاں ویران جنگل و بن میں تبدیل ہو کر رہ گئی ہیں ۔ اندلس میں مسلمانوں کا نام بس تاریخ میں
فلین مسلمانوں کا قبلہ اول ہاتھوں سے نکل کر واپس لینا ایک ناقابل حل مسئلہ بن کر رہ گیا۔

علامہ اقبال متاثر ہو کر فرماتے ہیں :۔

اُڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں ؛ دل میں کیا آئی کہ پابند نشیمن ہو گئیں
ان کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی ؛ شہر اُن کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں

علامہ فرماتے ہیں بات یہیں تک محدود نہیں رہی ــــــ اے قوم اب تو بات یہاں تک
ہے کہ ــــــ خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں

اب تو نصیب میں اس قوم کے ع " طعن اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے " طعن اغیار
یہ طعن دینے والے کون ہیں ؟ وہی نا ــــ ؟ جن کی زبان کل تک خاموش تھی اور آج ــ
ان کو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا ؛ اس حریف بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

قوم کے دو بڑے بنیادی امراض

حکیم الامت علامہ اقبال پوچھتے ہیں آج ہم پر حوادث کی بارش آخر کیوں ہو رہی ہے۔ آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ حوصلے وہ نہ ہم نہ رہے، دل نہ رہا۔ پھر عربوں کی حالت دیکھ کر وادی بخد تک اپنی عمیق نظریں دوڑا کر غمناک میں فرماتے ہیں۔

وہ لذتِ آشوب نہیں بحرِ عرب میں ؞ پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد ؞ اس کوہ بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام میرا ؞ قبضے سے امت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی
وادی بخد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا ؞ قیس دیوانۂ نظارہ محمل نہ رہا

اب اُمّت کا حکیم قوم کے نبض پر اپنی انگلیاں رکھ کر قوم کے دو بڑے بنیادی امراض کی تشخیص فر[مایا] قوم میں جو مرض پیدا ہوا ہے اس کا نام "اللہ سے دوری" ہے پھر آہ سرد بھر کر اللہ سے مخاطب ہے ع۔ "گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا" حکیم الامت قوم میں اس مرض کے پیدا ہونے کے بار[ے] میں ریسرچ فرما کر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ قوم اس مرض میں مبتلا ہونے کے قبل ایک اور مرض میں مبت[لا] جس کا نام "وفا محمدؐ سے محرومی" تھا یعنی صرف محمدؐ سے زبانی محبت اور عشق کا دعویٰ اور عملی طور پر محمدؐ سے بے وفائی۔ امت اللہ پاک کے بار بار کے اعلان اور نصیحت کو بھول گئی کہ اے مسلمان!

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ؞ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جب تک قوم نے محمدؐ سے وفا کی لوح و قلم اس کے قبضہ میں رہے اور اپنے مقدرات کی آپ مالک رہی اور جب امت "وفا محمدؐ سے محرومی" کے مرض میں مبتلا ہوئی تو "اللہ سے دوری" کے دوسر[ے] میں خود بخود مبتلا ہو گئی اور اس کا یہ حال ہوا کہ ۔ طعنِ اغیار ہے رسوائی ہے ناداری ہے۔

قوم کے دیگر ضمنی امراض

آگے چل کر حکیم الامت جب قوم کا تفصیلی معائنہ ک[رتے] اور اپنے ریسرچ کے کام کو جاری رکھ کر اس نتیجہ پ[ر پہنچتے] ہیں کہ ان دو امراض نے قوم میں ان گنت دیگر ضمنی امراض پیدا کر دیئے ہیں جن میں کا ہر مرض خط[رناک] حدود تک پہنچ چکا ہے۔ ان امراض میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ علم اسلاف سے محرومی اور اسلاف پر فخر

وہ علم اسلاف کا جو سینوں میں ک[...] اور نور پیدا کرتا تھا اس سے محر[ومی] کا مرض قوم میں عام ہو گیا ہے۔ علامہ پوچھتے ہیں۔

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو ؎ پھر پسر قابلِ میراث پدر کیوں کر ہو

اقبال فرماتے ہیں جب میں نے یورپ میں وہاں کے کتب خانوں میں ہمارے اسلاف کی بیش بہا
تصانیف دیکھیں جس کو دیگر اقوام نے اپنی آنکھوں اور سینوں سے لگا رکھا ہے اور ہم نے تو انکو بیکار سمجھا۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی ؎ جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی ؎ ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا!

پر غضب یہ ہے کہ اس قوم نے صرف "پدرم سلطان بود" "پدرم سلطان بود" کہہ کر ہاتھ پر ہاتھ دھر
بیٹھنے کو شیوۂ زندگی بنایا ہے۔ پھر پوچھتے ہیں۔

تھے تو آباوہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو ؎ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے ؎ دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں

۱۔ علومِ جدید سے غفلت
۲۔ غلط راہ روی

قوم کی ایک اور بیماری حکیم الامت علوم جدید جو ایجادات اور فنون سے واقف کراتے ہیں۔ ان سے غفلت بتلاتے ہیں حالانکہ اسلام نے حکم دیا ہے "علم حاصل کرو اگرچہ وہ
چین میں ہو" یعنی کافی فاصلہ پر جاکر ہی کیوں نہ حاصل کرنا پڑے علامہ فرماتے ہیں آج تمہارا حال یہ ہو گیا ہے کہ:

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو ؎ نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو

بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو ؎ بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

ان علوم جدید کی طرف مائل بھی ہوتے ہیں اور دنیا کی ترقی کی طرف بڑھتے بھی ہیں تو وہ دین سے
بیگانہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔

جب پیر فلک نے ورق ایام کا اُلٹا ؎ آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز

آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل ؎ دنیا تو ملی طائر دیں کر گیا پرواز

دین ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی ؎ فطرت ہے جوانوں کی زمین گیر زمین تاز

بنیادی تعلیم جس سے نوجوان دنیا حاصل کرکے دین سے محروم ہو جائیں اور اندھا دھند مذہب چھوڑ کر
الحاد میں ضم ہو جائیں۔ حکیم الامت فرماتے ہیں ؎

خوش تو ہیں ہم بھی نوجوانوں کی ترقی سے مگر ؎ لب خندہ سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ؎ کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما ؎ لے کے آئی ہے مگر تیشۂ فرہاد بھی ساتھ

تخم دیگر بکف آریم و بکاریم ز نو ؛ کانچہ کشتیم ز خجلت نتواں کرد درو

حکیم الامت کہتے ہیں فرنگی تعلیم حاصل کرنے میں ہرگز اس وقت کوئی قباحت نہیں جب کہ۔

جوہر میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف ؛ تعلیم ہو گو فرنگیانہ

جب جوہر میں لا الٰہ ہو تو صرف مسلمان ہر تعلیم کی اچھائی کو اپنائے گا اور برائی سے گریز کرکے کے آسمانوں پر پرواز کر جائے گا۔ حکیم الامت قوم کی تیسری بیماری دین کو چھوڑ کر صرف دنیا میں گم ہو جانا دیتے ہیں۔ مسلمان جب تک سیدھے ہاتھ میں احکام الٰہی اور بائیں ہاتھ میں دنیا کو تھامے اللہ کی ذات او محمدؐ میں گم رہا۔ دنیا اس کے قدموں پر لوٹتی رہی اور جب صرف دنیا میں گم ہو گیا تو ذلیل و خوار ہو گیا صرف میں گم ہو جانے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں ؛ کہ مرد حق ہو گرفتار حاضر و موجود
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ؛ مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

۴۔ عمل کا فقدان محبت ایثار و یقین سے محرومی و تقدیر کا رونا

حکیم الامت قوم کا چوتھا پیچیدہ ضمنی م میں کئی امراض چھپے ہیں وہ عمل کا فقدان جذ لگن کا نایاب ہو جانا یقین سے محرومی اور تق کا رونا بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یقین پیدا کر اے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے ؛ وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری
اے رہرو فرزانہ بے جذب مسلمانی ؛ نے راہ عمل پیدا نے شاخ یقیں نمناک
یقیں محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم ؛ جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

حکیم الامت قوم میں محبت اور ایثار کے فقدان پر غمناک ہیں اور بانگ درا میں صدیق اکبرؓ کا قصہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں "قوم تو باوجود کوشش اس مقام پر نہیں پہنچ سکتی حیف!

"ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار"

ایک وہ دور تھا کہ ضرورت پڑنے پر اپنی نصف جائیداد اپنے نادار جلاوطن بھائیوں کو بانٹ دی تھی انتہا یہ کہ دو رکھنے والے نے ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسرے بھائی کے نکاح میں دے دیا تھا۔ آج قوم ایثار سے محروم ہو کر آپس میں دست بہ گریباں ہے وہ قوم۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ؛ ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک ؛ کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں ☆ موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں
ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ ☆ ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ ☆ پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے ☆ کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے صحرا بھی ☆ جرس بھی کارواں بھی راہبر بھی رہزن بھی ہے

امت فرماتے ہیں کہ تقدیر کا رونا رونے والا مسلمان یہ بھول گیا کہ :-

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ☆ ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ
کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلمان ☆ مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

۷۔ مرضِ فرقہ آرائی و تعصب

حکیم الامت، امت میں پانچواں ضمنی مرض فرقہ آرائی و تعصب بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں ☆ کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟
تعصب چھوڑ ناداں دہر کے آئینہ خانے میں ☆ یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے

مختصراً بیان کیا گیا "آج کے مسلمانوں کے سوچنے کے انداز اور علامہ اقبال کا تردد" میں علامہ اقبال
ریہ کو واضح کیا جائے گا۔

۔ تن آسانی و عیش و عشرت سوز و ذوقِ طلب کا فقدان

حکیم الامت تشخیص فرماتے ہیں کہ قوم کے ضمنی امراض میں تن آسانی عیش و عشرت کے امراض بھی قوم کو زوال سے ہمکنار کئے ہوئے ہیں اور ذوقِ طلب کی لذت سے بھی یہ
ب قوم ناآشنا ہے اور سوز سے بھی۔

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے ☆ تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟
ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی ☆ لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
موت ہے عیشِ جاوداں ذوقِ طلب اگر نہ ہو ☆ گردشِ آدمی ہے اور گردشِ جام اور ہے
شمعِ سحر کہہ گئی سوز ہے زندگی کا ساز ☆ غمکدۂ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

۔ عورت کا رول قوموں کے عروج و زوال میں بے حیائی گناہوں پر فخر، تہذیبِ حاضر کی تقلید

حکیم الامت قوم کے ایک اور ضمنی مرض کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قوم ایک اچھی ماؤں کے آغوش سے محروم ہو گئی ہے۔

جبکہ آغوشِ مادر قوم کا مکتب اولین ہے ۔ یہ مکتب اب بے سوز ہو گیا ہے ۔ عورت کا مقام ــــ

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ ؛ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

تفصیلی بحث علامہ اقبال کے نقطہ نظر سے مسلمانوں کے عروج و زوال میں خواتین کا رول و حصہ میں ملاحظہ

علامہ فرماتے ہیں ۔ تہذیب حاضر کے بارے میں ــــــــ

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدار یار ہوگا ؛ سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

گزر گیا وہ دور ساقی کہ چھپ کے پیتے تھے پینے والے ؛ بنے گا سارا جہاں میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

حکیم الامت کا اعلان ہے کہ وہ تہذیب جو احکام الٰہی و سنت محمدیہ کے زیر سایہ پروان نہ

اور اپنی تہذیب کو نظر انداز کرکے اندھا دھن تقلید اقوام غیر کی ہوئی ہو اس سے علامہ اقبال خودکشی کو بہتر بتلاتے ہو

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی ؛ رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پہ ؛ مگر دیکھی نہ اس آئینہ میں اپنی ادا تو نے

۸۔ جہاد سے گریز حکیم الامت قوم کی آٹھویں ضمنی بیماری جہاد سے گریز بتلاتے ہیں اور فرماتے ہ

حق نے عالم صداقت کے لئے پیدا کیا ؛ اور مجھے اس کی حفاظت کے لئے پیدا کیا

تو حفاظتِ حق بغیر قوت بازو ہو سکتی ہے اور نہ وحدت کی حفاظت بغیر قوتِ بازو ممکن ہے ۔

حکیم الامت ان علماء پر اظہار افسوس فرماتے ہیں جن کا فتویٰ یہ ہے کہ :۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے ؛ دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر !

لیکن جناب شیخ کو معلوم کیا نہیں ! ؛ مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود بے اثر

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو ؛ آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد

اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل ؛ جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد !

مسکینی و محکومی و نومیدی جاوید ؛ جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

جہاد از روئے قرآن اور ارشادِ مصطفوی صلعم اور علامہ اقبال میں وضاحت ملاحظہ ہو ۔

۹۔ متاعِ کردار کا فقدان
نام نہاد علمائے دین کی غلط رہنمائیاں

حکیم الامت قوم کی نویں ضمنی بیماری متاعِ کردار کا فقدان اور نام نہاد علمائے دین کی غلط بتلاتے ہیں قوم کا کردار ہاتھ سے جا رہا۔

د علمائے نے قوم کے کردار کو سنبھالنے کے بجائے قوم کو عمل سے غافل رکھ کر صرف قوم کو زبانی فلسفہ
صفات کی بحث میں یہ مفادات خویش لگا رکھا ہے۔ جبکہ قوم وہم توہمات، حسد، جھوٹ، مکر و فریب
وعدہ خلافی، رشوت، سود، غیبت حتیٰ کہ شرک جیسی لعنتوں میں گرفتار ہے اور متاعِ کردار ہی قوم
ہا ہے۔ اور نام نہاد سرداران قوم خود باتوں میں گم ہیں اور قوم کو باتوں میں گم کر رکھا ہے اور
نذرانوں کی فکر میں ہیں۔ حق بات بتلائی جائے تو مرید تو سننے تیار ہے مگر۔

ہے مریدوں کو حق بات گوارا لیکن ؏ شیخ و ملا کو بری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار ؏ بحث میں آتا ہے جب فلسفۂ ذات و صفات
ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے ؏ نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکار عمیق!

مدرانِ قوم و رہنمائے ملت کا یہ حال ہے کہ حکیم الامت ایک باغی مرید کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی ؏ گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو دیہاتی ہو مسلمان ہے سادہ ؏ مانند بتاں پجتے ہیں کعبہ کے برہمن
نذرانہ نہیں سود ہے پیرانِ حرم کا ؏ ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد ؏ زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن
خدا کرے کہ اسے اتفاق ہو مجھ سے ؏ فقیہہ شہر کہ ہے محرمِ حدیث و کتاب

ت پیرانِ حرم کو نصیحت فرماتے ہیں۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے ؏ مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی
اے پیرِ حرم رسم و رہ خانقہی چھوڑ ؏ مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت ؏ دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا

لامت آہِ سرد بھر کر فرماتے ہیں کہ ہائے اے قوم تیری بدنصیبی کہ تیرے واعظ و علماء کا یہ حال ہے کہ

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی ؏ برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی ؏ فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

الامت ان علمائے کے بارے میں فرماتے ہیں ہائے یہ کیسی بدبختی ہے کہ۔

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار ؏ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں ؏ اس درجہ ہوئے حرمانِ حرم بے توفیق
زمین کیا آسماں بھی تری کج بینی پر روتا ہے ؏ غضب ہے سطرِ قرآں کو چلیپا کر دیا تو نے

ہوس بالائے منبر ہے تجھے رنگین بیانی کی ؎ نصیحت بھی تری صورت ہے اک افسانہ خو

آخر حکیم الامت نام نہاد خود بین مرشدوں سے پریشان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہیں کہ اے پیارے رسولؐ ۔

غضب ہیں یہ مرشدان خود بیں خدا تیری قوم کو بچائے ؎ بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر ؎ اب تو ہی بتا! تیرا مسلمان کدھر

اس راز کو اب فاش کرے اے روح محمدؐ ؎ آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

علماءِ حق اور علماء سو کے بارے میں علامہ کا نقطۂ نظر علیحدہ ظاہر کیا جائے گا۔

۱۰۔ فقر سے محرومی حکیم الامت قوم کی دسویں ضمنی بیماری فقر سے محرومی بتلاتے ہیں او

سوچا بھی ہے اے مرد مسلماں کبھی تو نے ؎ کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دا

اس بیت کا یہ مصرع اول ہے کہ جس میں ؎ پوشیدہ چلے آتے ہیں توحید کے اس

ہے فکر مجھے مصرع ثانی کی زیادہ ! ؎ اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلو

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن ؎ یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدر کرار

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے ؎ وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآ

سکوں پرستئ راہب سے فقر ہے بیزار ؎ فقر کا سفینہ ہمیشہ طوفا

یہ فقر مرد مسلماں نے کھو دیا جب سے ؎ رہی نہ دولت سلمانی و سلیما

۱۱۔ خودی کا فقدان حکیم الامت، امت کی ضمنی بیماریوں میں خودی کے فقدا
بیماری بتلاتے ہیں اور خودی کا مسلمان کے لئے یہ مقام بتلاتے ہیں کہ ۔

روح اسلام کی ہے نور خودی نار خودی ؎ زندگانی کے لئے نار خودی نور حضو

تری خودی سے ہے روشن ترا حریم وجود ؎ حیات کیا ہے؟ اسی کا سرور و سوز و ث

بلند تر مہ و پرویں سے ہے اسی کا مقام ؎ اسی کے نور سے پیدا ہیں تیرے ذات وہ

حریم ترا خودی غیر کی! معاذ اللہ ؎ دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منا

یہی کمال ہے تمثیل کا کہ تو نہ رہے! ؎ رہا نہ تو، تو نہ سوز خودی، نہ ساز حیا

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور ؎ کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ اح

عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا، اپنی خودی میں ڈوب جا ؎ نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر تل

حکیم الامت قوم کے ہر فرد کی خودی کو اس بلندی پر فائز رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے ؎ خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

۱۲۔ مذہب و سیاست اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو مومن کو نظام کائنات و رموز حکمرانی کے اصول سے بھی آگاہ کرتے ہوئے دین کی دولت عطا فرماتے ہوئے دنیا کی حکمرانی عطا فرماتا اور بقول علامہ اقبال یہی اسلام ہے' ع۔ جس نے بنایا مومن کو مرد پرزین کا امیر۔ جب مسلمانوں نے اپنی بدنصیبی و بدبختی کو دعوت دی تو اس نے مذہب سے سیاست کو علحدہ کر دیا۔ حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ سیاسی امور مسجد نبوی میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور صحابہ اکرام کے عہد زرین میں طئے پاتے تھے یعنی جب مسلمان سیدھے ہاتھ میں دین اور بائیں ہاتھ میں سیاست لیکر بڑھ رہا تھا تو دنیا کے تین بڑے براعظم نہ صرف ان کے زیر قدم تھے بلکہ اس کے قدموں پر نثار ہو رہے تھے لیکن جب مسلمان نے احکام حق سے دوری اختیار کی تو ظالم بن گیا اور جب سیاست سے مذہب کو علحدہ تصور کرنے لگا تو حکومت و خلافت کی گدائی کرنے لگا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی ؎ ہوس کی امیری ہوس کی گدائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگاہی کیا ؎ خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو ؎ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

۱۳۔ خرافات و روایات بیمار مسلمان قوم کی تیرھویں ضمنی بیماری جس نے مسلمانوں کو تین تیرہ نو اٹھارہ کر کے برباد کر دیا وہ علامہ حکیم الامت کی نظر میں خرافات و روایات میں مسلمانوں کا گم ہو جانا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں قدم رکھتے ہی اسلامی تہذیب و معاشرت کو بحر ہند میں ڈبو ڈالا اور ہندو تہذیب اور معاشرت رسم و رواج کو اپنا کر اپنی زندگی کا جزو بنا لیا۔ شادی بیاہ کے موقعوں بلکہ زندگی کے قدم قدم پر چلّہ چھٹی اور ہزاروں ہندو رسومات اور اسراف کو اپنا کر اپنا دیوالیہ نکال لیا اور عیش و عشرت کے غار میں جا گرے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

انکی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں ؎ جو گھر کو پھونک کر دنیا میں نام کرتے ہیں

مسلمان اس قدر خرافات اور ہندو روایات پھر فرنگی تہذیب میں گم ہو گیا کہ اس میں شان اسلامی باقی رہی اور نہ وہ خود باقی رہا علامہ فرماتے ہیں کم از کم اب تو اے مسلمان کہلانے والے

کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تیری ؎ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

اب تو دنیا بھر کے مسلمانوں بشمول عرب ممالک پر فرنگی تہذیب کا بھوت سوار ہے۔ فرنگی تہذیب جس پر مسلمان مر رہا ہے اس کی حقیقت کیا ہے' علامہ اقبال کی نظر میں ؎

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے　٭　حق یہ ہے کہ چشمۂ حیواں سے یہ ظلمات
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم　٭　حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

ہندو تہذیب ہو کر فرنگی علامہ فرماتے ہیں۔ اے مسلمان تری ــــ

حقیقت خرافات میں کھو گئی　٭　یہ امت روایات میں کھو گئی

۱۴۔ خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

مسلمانوں نے جس طرح عملی طور پر دغا کرنا دا آقا نامدار صلعم سے جھوٹی زبانی وفا اختیار کی ہے اسی طرح پیغمبرِ خدا پر منجانب اللہ پاک نازل ہو کے ساتھ بھی زبانی اور دکھانے کی دفا باقی رکھی۔ علامہ فرماتے ہیں۔

برہمن را زبتاں طاق خود آراست　٭　تو قرآں را سر طاقے نہادی

ترجمہ: برہمن نے اپنے محراب کو بتوں سے آراستہ کیا ہے، تو تُو نے قرآن کو طاق کی زینت بنا کر رکھ

ہمارے اسلاف اور ہم میں علامہ فرق یہ بتلاتے ہیں کہ :-

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر　٭　اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

یہاں صرف اشارتاً بیان کیا گیا ہے۔ تفصیل "فلسفۂ لا الٰہ الا اللہ" کی کتاب مسلمان، علامہ اقبال اور قرآن از روئے قرآن میں ملاحظہ ہو۔

۱۵۔ احساس کی موت

حکیم الامت قوم کی پندرھویں ضمنی خطرناک بیماری احساس بتلاتے ہیں کہ قوم کا سب کچھ لٹ گیا۔ لیکن پھر بھی احساس نہ جاگا۔ مسلمان وہ بدنصیب قوم ہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　٭　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
دل سوز سے خالی ہے مگر پاک نہیں ہے　٭　پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں　٭　کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

رونا بیکار اور حقیقت حال

دو بنیادی اور ممکنہ ضمنی خطرناک بیماریوں کو کرنے کے بعد حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ قوم کو اب بھی حکومت کی ہوس اور اس کے رونا ہے۔ حاصل کرنے کی خواہش تو نہیں ایسی صورت میں۔

حکومت کا کیا رونا کہ وہ ایک عارضی شے تھی　٭　نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارہ

اگر کہیں حکومت ہاتھ میں بھی ہے کس کام کی جب کہ وہ آئین دستور اللہ و رسولؐ کی آئینہ دار نہ ہو۔ اور آزادی کے بارے میں تو حکیم الامت فرماتے ہیں۔

بظاہر تو آزادی ہے باطل میں گرفتاری۔ جب احکام الٰہی سے مومن دور ہو گیا تو غم

مذہب کا ہونا چاہیئے ۔ حکومت کی تحریری کاروانا اسے زیب نہیں دیتا ہے ۔

مسلمان جب مذہب سے دور ہوا احکام الٰہی چھوڑا، سنت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نظریں ہٹالیں، صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگی کو ناقابل عمل سمجھا، دستورالٰہی سے منہ موڑا تو سب کچھ کھو دیا ۔ یا تو حکومت جاتی رہی یا حکومت ہاتھ میں رہی تو اسرائیل کا خوفناک سایہ سروں پر ہے اور اس کے علاقوں پر اسرائیل قابض ہے ایک جانب تیل کی دولت ہے تو دوسری جانب ذلت و خواری اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مومن احکام الٰہی سے ہٹ جائے تو فضل رب اس سے ہٹ جاتا ہے اور سروں پر عذاب کسی نہ کسی انداز سے چھا جاتا ہے اور جب مومن احکام رب کا پابند اور وفا محمدؐ کا خوگر ہو جاتا ہے تو:

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث ؛ مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے
کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری ؛ مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے ؛ جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے !

علامہ آج کے مسلمانوں کی غیرت و حمیت الفت باہمی اوصاف حمیدہ، عشق خدا اور حب رسولؐ کے فقدان، فرقہ بندیوں آپسی نفاق اور مندرجہ بالا بیان کردہ خامیوں کا جائزہ لے کر فرماتے ہیں ۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ؛ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

مسلمان مومن کی تعریف اور آج کا مسلمان کیا ہے اور کل کا مسلمان کیا تھا اسی کتاب میں ملاحظہ ہو۔

تمام امراض کا واحد نسخۂ شفاء

حکیم الامت فرماتے ہیں قوم کو اس قدر بے شمار امراض نے آگھیرا ہے ہر ایک کا علحدہ علحدہ علاج ممکن نہیں ۔ صرف ایک مرض " وفا محمدؐ سے محرومی " کا علاج کر لیا جائے تو تمام امراض خود بخود دور ہو جائیں گے اس کے لئے نسخۂ شفا حکیم الامت جو تجویز فرماتے ہیں وہ ہے " وفا محمدؐ " کے ساتھ سنت محمدیؐ کے ٹیبلیٹ (گولیاں) قوم استعمال کرے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی ٹانک پیتے رہے تو خود بخود " دوری اللہ " کے مرض سے نجات پا جائے گی اور اللہ سے قربت حاصل ہو جائے گی اور مومن کامل بننے کے لئے " وفا محمدؐ " کرنے عملی طور پر تیار رہنے والی خواہش مند بیمار مسلمان قوم کے لئے حکیم الامت نے جو نسخہ جات شفا تجویز کئے ہیں وہ اقساط وار پیش کئے جا رہے ہیں جس سے بیمار قوم نہ صرف شفایاب ہو سکتی ہے بلکہ ترقیوں کے آسمانوں پر پرواز کر سکتی اور اپنا مقام حسب سابق ثریا کی چوٹی پر بنا سکتی ہے۔

مگر اس کے لئے عمومی ذمہ داری امت پر ہے کہ اپنے شعور کو از خود بیدار کر کے وفا محمدؐ کا عملی ثبوت دے

اور خصوصی ذمہ داری نام نہاد علماء دین پر ہے کہ اپنے مفادات دنیوی کو نظر انداز کر کے امت کی صح
اور نذرانوں کو بقول حکیم الامت بمنزلہ سود سمجھیں ۔ بس اللہ کی عطا کردہ عقل سے مسلمان اگر
عشق ذات باری اور عشق رسولؐ جزِ زبانی نہ ہو بلکہ عملی طور پر بمنزلہ "دفا محمدؐ" ہو، کو شیوہ ز
تو حکیم الامت اللہ کی جانب سے یوں فرماتے ہیں ۔

عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری ☆ میرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تری
ما سوا اللہ کے لئے آگ ہے تکبیر تری ☆ تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری
کی محمدؐ سے دفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ☆ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

زوال پذیر قوم کے سید زادوں کیلئے علامہ اقبال کی تڑپ و نصیحت

علامہ اقبالؒ ایک طرف عاشقِ رسولؐ ہیں تو دوسری جانب مسلمانوں کے زوال سے مت
اپنے آپ کو کہتے ہیں "میں بلبلِ نالاں ہوں اس اجڑے گلستاں کا" اور قوم کے زوال سے متاثر ہو کر
ذات سے شکوہ کرتے ہیں کبھی خدا کی جانب سے جواب دیتے ہیں ان بے چینیوں کے عالم میں علامہ ا
سید زادوں اور سیدوں پر پڑتی ہیں تو تڑپ اٹھتے ہیں اور ضرب کلیم میں ایک فلسفہ زدہ سید زاد
سے پندرہ اشعار لکھے ہیں ۔ فلسفہ کے لغوی معنی ہیں علم، حکمت، دانائی اور زدہ کے معنی ہیں مارا ہوا ۔
بو سیدہ یعنی ایک ایسا سید جو علم حکمت، عقل دانائی سے محروم ہو اور بلحاظ اعمال مفلوک اور بوسیدہ ا
ہو، سید کے لغوی معنی سردار کے ہیں لیکن عام طور پر سید سے مراد حضرت علیؓ کی وہ اولاد ہے جو لخت
صلی اللہ علیہ وسلم یعنی خاتون جنت سیدۃ النساء فاطمہ زہرہؓ کے ابطنِ مبارک سے عالم وجود میں آئی
علیؓ کی دوسری بیوی کی اولاد علوی کہلاتی ہے، ایک طرف آنحضرت صلعم نے فرمایا میں دنیا سے دو
جا رہا ہوں ایک قرآن پاک دوسرے اہل بیت، پھر رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع کے معرکۃ الآرا
فرمایا ۔ "آج میں نے نسب و حسب کو اپنے قدموں تلے کچل دیا ۔ بزرگی اور بڑائی کا معیار، رنگ
پر نہیں بلکہ اعمال پر منحصر ہے ۔ اور اپنی صاحبزادی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ اور اپنی پھوپی حضرت ص
فرمایا دیکھو روزِ قیامت میں کام نہ آؤنگا ایسی دنیا میں اپنے لئے عمل کر لو وہ سید زادے جو اعمال بد
کو راہِ نجات سمجھتے ہیں آخرت کی تباہی مول لے رہے ہیں جو لوگ ان کے اعمال بد کے باوجود صرف
کی بناء پر ان کا احترام کر رہے ہیں وہ ہرگز رسول اللہ صلعم کی خوشنودی حاصل نہیں کر سکتے ۔ اسلام صر
طالب ہے علامہ ایسے سید زادوں کے تعلق سے کہتے ہیں ۔

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا ؛ زناریٔ برگساں نہ ہوتا
ہیگل کا صدف گہر سے خالی ؛ ہے اس کا طلسم سب خیالی
محکم کیسے ہو زندگانی ؛ کس طرح خودی ہو لازمانی
آدم کو ثبات کی طلب ہے ؛ دستورِ حیات کی طلب ہے

یعنی علامہ کہہ رہے ہیں کہ اے سید زادوں عام انسانوں کے لئے تک جو بقاء کے متمنی ہیں ان کو دستور حیات کا پابند رہنا اور دستور کے تحت زندگی گذارنا از بس ضروری ہے اور تُو، تو سید زادہ ہے۔ اپنے آپکو دیکھ کہ تُونے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے کہ اپنی خودی کو بالکل کھو بیٹھا ہے تو کس طرح تری زندگانی پائیدار اور مستحکم ہوسکتی ہے!

تیرے ہیگل کے صدف میں عمل کے گوہر کا تو پتہ ہی نہیں ہے، ایسی صورت میں تیری عزت کا تصور صرف ایک خیالی صورت رکھتا ہے۔ حیف! تونے اپنی خودی اس قدر کھودی ہے کہ تو زناریٔ برگساں ہوگیا ہے یعنی ایمان سے بھی اپنے اعمال کی بناء پر ہاتھ دھو بیٹھا ہے، آگے کہتے ہیں۔

دنیا کی عشاء ہو جس سے اشراق ؛ مومن کی اذاں ندائے آفاق

عشاء کے لغوی معنی ہیں رات کا اندھیرا اور رات کی وہ نماز جو اندھیرا ہونے کے بعد فرض ہوتی ہے۔ اور اشراق کے لغوی معنیٰ ہیں سورج نکلنے کا وقت چمک، حکمت، روشن ضمیری اور بعد طلوع آفتاب کی نماز اس وسیع المعنیٰ شعر میں علامہ کہہ رہے ہیں اے سید زادے تو اپنا مقام دیکھ اور سمجھنے کی کوشش کر جبکہ ایک عام مومن کے مقام کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کی اذاں دنیا کے لئے زندگی، روشنی کا پیام لاتی ہے اور دنیا کی تاریکی کو وہ اپنی روشن ضمیری سے دور کرتا ہے دنیا کو چمک اور رونق بخشتا ہے اس کی حکمت سے دنیا فیض پاتی ہے تجھے اے سید زادے کس مقام پر فائز ہونا چاہیئے تو خود محسوس کرلے، پھر علامہ بالکل صاف گوئی پر اتر آتے ہیں اور اپنی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ میرا خاندان تو دو سو سال قبل کشمیر کا ایک برہمن خاندان تھا اور تُو تو سید ہاشمی کی اولاد سے ہے ـــــــــــ

میں اصل کا خاص سومناتی ؛ آبا میرے لاتی و مناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد ؛ میری کفِ خاک برہمن زاد
ہے فلسفہ میرے آب و گل میں ؛ پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
اقبال اگرچہ بے ہنر ہے ؛ اس کی رگ رگ سے باخبر ہے

یعنی کہہ رہے ہیں کہ تجھے تو میری رہنمائی کرنی چاہیئے تھی میں ایک برہمن زاد ہو کر اسلام پر اسلام کی حکمت پر اس کے دقار پر مٹ چکا ہوں اور تو اسلام کی عظمت اور اعمالِ صالحہ سے بے خبر ہے۔ پھر نصیحت

فرماتے ہیں ۔ اے سید زادے خدا کے واسطے مجھ سے ایک ایسا نکتہ سن لے جس سے تیرا دل روشن ہوجائے وہ نکتہ یہ ہے کہ تیرے ایمان کے جنون کا شعلہ بجھا ہوا اور بے سوز ہے جس میں اعمال حسنہ کی کوئی جھلک ہے نہ اعمال کی تڑپ، تیری عقل انجام سے بے خبر اور تیری زندگی فلسفۂ اسلام سے بہت دور اور قطعی محروم ہے تیرے تخیلات وافکار کے نغمے بے معنیٰ اور ذوق عمل کے واسطے موت کا سامان ہیا کرتے ہیں ان خیالات اور نصیحت کو علامہ اقبالؔ اس طرح فرما رہے ہیں۔

شعلہ ہے تیرے جنون کا بے سوز ؛ سن مجھ سے یہ نکتہ دل افروز
انجام خرد ہے بے حضوری ؛ ہے فلسفۂ زندگی سے دوری!
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت ؛ ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت
دیں مسلک زندگی کی تقویم ؛ دین سرِ محمدؐ وا براھیمؑ!!

علامہ کہتے ہیں کہ دراصل دین اسلام ہی تو مسلکِ زندگی ہونا چاہیئے اور دین محمدیؐ اور دینِ ابراہیمیؑ کے رازوں سے اے سیدزادے تجھے واقف ہونا چاہیئے ۔

علامہ آخر میں نصیحت فرماتے ہیں اے سیّدزادے تو حضرت علیؓ کی اولاد ہے اپنے دل میں سخنِ محمدؐ کو بسائے یعنی شریعت محمدیؐ احکام محمدیؐ کا حقیقی معنوں میں پابند ہوجا ۔

دلِ در سخن محمدیؐ بند
اے پور علیؓ ز بو علیؓ چند
چوں دیدۂ راہ بین نداری
قائد قرشی بہ از بخاری

علامہ اقبالؔ حکیم خاقانی کے مندرجہ بالا فارسی اشعار از " تحفتہ العراقین " سے اتفاق کر ہوئے اپنی نصیحت ختم کرتے ہیں کہ اے سید زادے ! تو حضرت علیؓ کی اولاد ہونے کے باو جب راستہ دیکھنے والی آنکھ سے محروم ہوگیا تو رہبری وقیادت جو تیرا حق تھا دیکھ کس کے حق میں آئی ۔ چونکہ ع

شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز

دیارِ ہند سے ایک خط ــــــ ایک حاجی کے نام (طنزیہ انداز)

زوال پذیر مسلمان قوم کے ارکانِ اسلام ادا کرنیکے موجودہ طریقے

ــــــ اور ــــــ

فیصلہ علامہ اقبالؒ

محمد جمیل الدین صدیقی سپرنٹنڈنٹ
ہائیکورٹ - حیدرآباد - اے پی

سنہ ۱۴۸۳ء

مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو
تپشِ شوق کا نظارہ دکھاؤں کس کو

الحاج مولانا مولوی حامد حسین صاحب ــــــ وعلیکم السلام۔

آپ کے یکے بعد دیگرے تین خطوط ملے۔ کچھ تردقت کے فقدان نے پھر حالات کے ہیجان نے جواب دیا۔ تیسرے خط نے اخلاقی طور پر قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کو حجِ اکبر عطا فرماکر حج کا ایسا قلب مطمئنہ عطا فرمایا جس کے بعد ہر حاجی ماضی کے تو کیا حال اور مستقبل کے گناہوں سے بری ہوجاتا ہے اور نامۂ اعمال کی لمبی فہرست پر تمام اعمال کی تفصیل پر سرخی سے حج کا غازی عمروں کا زیارت کا سکندر لکھ دیا جاتا ہے۔ میری جانب سے آپ کے حج کی ڈگری اور عمرہ اور زیارت لیسٹ کی حصولی کے اعزازات پر قلبی مبارکباد قبول فرمایئے۔ کس قدر قابلِ فخر اور باعث ہے۔ آجکل مسلمانوں کے لئے حج کی ڈگری اور زیارت و عمرہ کے وہ انمول سرٹیفکیٹ کی حصولی جو مدلیں ماضی حال و مستقبل کے ہر عمل کو جائز قرار دے کر الحاج کے سنہری تخت طاؤس پر جلوہ افروز فرمادیتی ہیں کے بعد ہر حاجی کی ہر سانس عبادت اور ہر عمل چاہے وہ کسی حدود سے ہی کیوں نہ ٹکرائے اور ست کی سرحد کیوں نہ پار کر جائے حاجی کو جنتی اور بے گناہ ہونے کا یقین ہی نہیں بلکہ یقین محکم ہی ہے۔

اسلام کے پانچویں رکن میں بڑی قوت ہے کلمہ گو کو تو ہم مسلمان کہہ لیتے ہیں لیکن دیگر ارکان' نماز' روزہ ادا کرنے والے کو نام کے ساتھ لکھنے نہ نمازی' روزہ دار' اور زکواۃ ادا کنندہ کی ڈگری ملتی ہے نہ کوئی سرٹیفکیٹ

مگر پانچویں رکن کی ادائی کے ساتھ ہی چاہے قبول ہونے کا یقین ہو کہ نہ ہو الحاج کی ڈگری نام کا
کا موجب بن جاتی ہے - پھر اب تو بڑی آسانی یہ بھی پیدا ہو چکی ہے کہ بغیر اپنا فرض حج ا
کسی کے روپیہ سے کسی مرنے والے کا حج البدل کر کے اپنے فرض سے بھی سبکدوش ہو سکتے ہیں
نفل نماز، فرض نماز سے چھٹکارا دلا سکتی ہے۔ اور بعد واپسی الحاج کی ڈگری تو نام کے ساتھ تاحیات وابستہ ہو
ہے۔ واقعی قابل مبارک ہے وہ حج جو عمر کے اس آخری حصہ میں کیا جاتا ہے جبکہ بلحاظ قوی آدمی ارکان
کرنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔ پھر یہ حج ایک ملازم سرکار کے جی - پی - ایف اور بیمہ کی سودی رقم
منافع کیوں نہ کہا جائے کی ملی جلی رقم سے ادا کیا جانے سے کس قدر روح افزا بن جاتا ہے۔ کس قدر آ
ہے آج کل کے مسلمانوں کے لئے کہ آبکاری کی رقم سے تمباکو کی کمائی سے کالے دھن اور سود کی رقم
ز الفوں حج کی تکمیل کی جاسکتی ہے اور بعد فراغت حج چوری کے سامان اور سونا لاکر اخراجات حج
اور منافع حج کے فرض کی ادائی کا بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور صرف ڈگری الحاج تو مفت میں ہاتھ لگ

اس ترقی یافتہ دور میں عورت تنہا بھی بغیر محرم کو ساتھ رکھے حج ادا فرما سکتی ہے پھر
آسانی جوان حجانی ماں کے لئے یہ ہے کہ بعد فراغت حج حجانی ماں صاحبہ پر گوشہ کا لزوم عائد ہوتا
ستر چھپانے کرتہ کا بلکہ بلوز پہنے حاجی شوہر کے ساتھ ———

گوشہ ہے نہ پردہ ہے نہ اسکا ادب باقی ؛ حاجی ہیں حجانی ہیں ویسا کی روانی ہے

البتہ جوانی میں بے گوشہ پھر کر اور بلوز پہن کے جسم کی نمائش کر کے دل کے حوصلے نکال لینے کے
عالم ضعیفی میں حجانی بننے کا اعزاز حاصل ہوتا ہے تو ضعیف حجانی ماں کرتہ بھی پہن لیتی ہیں بلکہ بجائے
کے پائجامہ بھی اور ضعیف چہرے کو ضعیفی کے آثار و چہرے کی جھریاں چھپانے برقعہ کے ساتھ
پر نقاب بھی ڈال لیتی ہیں کہ شریعت کی تکمیل اور احکام گوشہ کی پابندی ہو سکے اور ضعیف چہرے پر کسی
مرد کی نگاہ نہ پڑ جائے اسلئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے ؛ حرّیتِ افکار کی نعمت ہے خدا داد!
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر ؛ چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ پارس ؛ چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد!
ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا ؛ اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد!

مندرجہ بالا وجوہات ہی آج مسلمان کی ترقی کی آئینہ دار ہیں جس کی بنا پر آج کا مسلمان دنیا کے
کے سامنے سینہ تانے ایک زندہ قوم کا زد کہلانے کا مستحق اوران کے ساتھ قدم ملاکر چلنے پر قادر

یوں کہئیے کہ اس کے دبدبہ سے دنیا کی ہر قوم لرزہ براندام ہے، ایک آنکھ میں کعبہ اور دوسری آنکھ میں روضہ مبارک کو بسانے والی اس قوم نے اسرائیل پر ایک وحشت اور موت کا سکوت طاری کر دیا ہے۔ اور اس کے علاقوں پر قبضہ کر کے فاتح قوم کی تعریف میں آ رہی ہے۔ اس کا ثبوت روز کے اخبارات دے رہے ہیں۔ اس قوم کی بہادری و شجاعت کی ثریا سے ہمکلام چوٹی سے ٹکرانے والے اعمال صالحہ نے ایک طرف روس تو دوسری جانب امریکہ اور دنیا کے ہر ملک کو لرزہ براندام کر رکھا ہے۔ اس قوم کا آپس کا اتفاق و اتحاد و بھائی چارگی عربوں کی جفاکشی اور عیش و عشرت سے نفرت نے دنیا کی ہر بڑی قوت کو ہراساں و پریشاں کر دیا ہے۔

قابلِ فخر ہے یہ بات کہ آج کی مسلمان قوم ایک باادب قوم ہے اور اسے اللہ رسول اور قرآن کی محبت بھی عطا ہوئی ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ "ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں" کی منزل پر گامزن ہے۔ آج کی مسلمان قوم اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اللہ ایک ہے رسولؐ ایک ہے۔ اور ان کا قرآن ایک ہے۔ مگر وہ خود ایک ہو کر بے ادبی کا مرتکب ہونا نہیں چاہتی، چونکہ نعوذ باللہ یہ اللہ سے ٹکر ہوگی اللہ کا مقام بہت اونچا ہے۔ لہٰذا وہ ایک ہے یہ قوم ایک ہو کر اس سے برابری کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہے۔ رسولؐ اور قرآن کی عظمت بھی اس کے پیش نظر ہے۔ قرآن ایک سہی لیکن تیس پاروں اور ہزاروں آیات پر بٹا ہوا ہے تو پھر وہ کیوں نا ایک کہلا کر مختلف فرقوں میں بٹ جائے۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں (۱) کلمۂ طیبہ یعنی وحدانیت اور رسالت کا اقرار بہ قلب و زبان اور ذریعہ ل (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکواۃ (۵) حج۔ قابلِ فخر ہے کہ مسلمان قوم اسلام کے کسی رکن سے منہ نہیں موڑتی۔

اسلام کا پہلا رکن کلمۂ طیبہ ہے ہر مسلمان اسے زبان سے ادا کرتا ہے اور اللہ ہی کو نفع اور نقصان کا مالک اور قادر جانتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وقت آنے پر بزرگانِ دین کے مزاروں غوث پاک کے جھنڈوں کو علموں کو حتیٰ کہ حکومت کو ہر صاحبِ اقتدار کو شریک خدائی کر بیٹھا ہے۔ ہر ایک کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ مگر اس میں مسلمان کا کیا قصور اس کا گناہ تو ابلیس کے سر ہے اس پر لعنت بھیجی جانی چاہیے کہ اس قوم پر جو خدا کو واحد مانتی اور کسی کو اس کی ذات میں شریک کرنے کو گناہ سمجھتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دینوی اغراض اور معاشی خوش حالی کے لئے وہ نرسو اور شیخ سدو کو مان لیتی ہے۔ اگر
شیخ سدو کی عقیدت میں گرفتار کوئی ہے نرسو راجہ کی محبت کا ہے بیمار کوئی
تو اس کا گناہ مسلمان کے سر پر کیسے عائد ہو سکتا ہے۔ شیخ سدو اور نرسو کے سر پر کیوں نہ رکھ دیا جائے۔
اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے۔ مسلمانوں کی ایمانی قوت کا مظاہرہ کیا وہ مسجدیں نہیں کر رہی ہیں جن کو وہ آئے دن کئی منزلہ بنا رہا ہے۔ اور دلہنوں کی طرح سجا رہا ہے۔ انہیں بقعہ نور بنا رہا ہے

اگر مسجدوں میں تبلیغیں بھی ہو رہی ہیں اور کمیٹیوں میں جھگڑے تو وہ کیا کرے وہ تو ابلیس مچا رہا ہے
پانچ وقت کی نماز پڑھنے کے بعد بھی مسلمان آلودۂ گناہ ہے تو اس کی سزا تو حضرت ابلیس کو ملنا چا
جب کہ اسلام کا آغاز تھا دنیا کسی لحاظ سے ترقی پذیر نہ تھی مٹی کی کچی دیواریں تھیں کھجور کے پتوں کا
کا چھت تھا۔ مسجدیں راتوں کو تاریکی میں ڈوب جاتی تھیں۔ خیر یہ حسنِ اتفاق ہوگا کہ اس تاریک
کچی مٹی کی دیواروں کی مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے قلب منور اور روح تاباں تھے خوفِ خدا
روزِ محشر سے لرز اٹھتے تھے، خدا کے غریب و بے بس بندوں کو دیکھ کر ان کا دل اس قدر نرم تھا کہ خود
پر پتھر باندھ کر اس کا پیٹ بھر دیتے اور ان کی حاجتیں روا کر دیتے تھے۔ دور ترقی کرتا گیا۔ مسج
کی پختہ دیواروں اور پختہ چھت کے نیچے نمازیں ادا ہونے لگیں۔ اب دل بھی چھت اور دیواروں کی ط
سخت اور گناہوں میں پختہ ہونے لگے، اس میں غریب مسلمان کا کیا قصور، ایمان کی حرارت والوں کا
تو دم بھر میں پختہ آرسی سی کی کئی منزلہ مسجدیں بنانا اور انہیں آراستہ اور بقعۂ نور بنا دینا ہے۔ اگ
دل پرانا پاپی ہے اور حضرت ابلیس اسے نمازی بننے نہ دیں تو آج کے باشعور مسلمان کا کیا قصور ہے
پہلے کی مسجدیں گرمی سے تپتی تھیں اور نماز پڑھنے والوں کے دل ایمان کی گرمی سے تپتے اور نورِ الٰہی سے ر
رہتے تھے۔ لیکن آج کے ترقی یافتہ سائینس کے دور کے باشعور مسلمانوں نے مسجدوں کو برقی پنکھوں
اور ایئر کنڈیشنڈ بنا کر ٹھنڈا کرنا اور برقی روشنی سے منور کرنا سیکھ لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب اس حر
ایمانی کو برقی پنکھے اور ایئر کنڈیشنڈ مسجدیں ٹھنڈا کر رہی ہوں اور برقی روشنی کے آگے ایمانی روشنی کی ...
نہ سمجھی جائے تو اس کا گناہ سائینس اور سائینسدانوں کے سر جائے گا نہ کہ مقدس باشعور مسلمان قوم کے سر
یوں بھی دیکھا جائے تو سائینس کا ذاتی مسلمان قوم پر بے حد احسان ہے۔ پہلے کے دور میں بھی ا
ہوتی تھی جس کی آواز مسجد ہی کے در و دیوار سے ٹکرا کر مسجد میں ہی دفن ہو جاتی تھی اور اس کا گذر
طرح آسمانوں تک ممکن نہ تھا۔ آج کی اذان لاؤڈ اسپیکر سے دی جاتی ہے جو سیدھے عرش تک
جاتی ہے جسے سن کر اللہ پاک بھی خوش ہو جاتے ہیں یہ اور بات ہے کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

شعر   رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

پہلے گھڑیال نہ تھی مگر لوگ وقت پر مسجد کی در و دیوار سے ٹکرا کر مسجدوں میں دفن ہو جانے والی
کی آواز سن کر مسجدوں میں آ جاتے تھے ——— اب ہاتھ پر اور دیوار پر گھڑی لگی ہے
لاؤڈ اسپیکر کی عرش پر پہنچنے والی اذان کی آواز بھی مسلمانوں کی اکثریت کو مسجدوں میں داخل
سے قاصر ہے تو یہ سائینس کی اس ایجاد کا ہی قصور سمجھا جائے گا یعنی لاؤڈ اسپیکر کی خامی جو نہ مسلما

سا رکھیئے کہ اس کے دبدبہ سے دنیا کی ہر قوم لرزہ براندام ہے، ایک آنکھ میں کعبہ اور دوسری آنکھ میں روضہ
ارک کو بسانے والی اس قوم نے اسرائیل پر ایک وحشت اور موت کا سکوت طاری کر دیا ہے۔ اور
س کے علاقوں پر قبضہ پر قبضہ کر کے فاتح قوم کی تعریف میں آ رہی ہے۔ اس کا ثبوت روز کے اخبارات دے رہے
یں۔ اس قوم کی بہادری و شجاعت کی ثریا سے ہمکلام چوٹی سے ٹکرانے والے اعمال صالحہ نے ایک طرف روس
دوسری جانب امریکہ اور دنیا کے ہر ملک کو لرزہ براندام کر رکھا ہے۔ اس قوم کا آپس کا اتفاق و اتحاد و بھائی
ارگی عربوں کی جفاکشی اور عیش و عشرت سے نفرت نے دنیا کی ہر بڑی قوت کو ہراساں و پریشاں کر دیا ہے۔

قابلِ فخر ہے یہ بات کہ آج کی مسلمان قوم ایک باادب قوم ہے اور اسے اللہ رسول اور قرآن کی محبت
می عطا ہوئی ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ ؎ "ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں" کی منزل پر
ا مزن ہے۔ آج کی مسلمان قوم اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ اللہ ایک ہے رسولؐ ایک ہے۔ اور ان کا قرآن
یک ہے۔ مگر وہ خود ایک ہو کر بے ادبی کا مرتکب ہونا نہیں چاہتی، چونکہ نعوذ باللہ یہ اللہ سے ٹکر ہوگی
لہ کا مقام بہت اونچا ہے۔ لہٰذا وہ ایک ہے یہ قوم ایک ہو کر اس سے برابری کا دعویٰ کیسے کر سکتی ہے۔
سولؐ اور قرآن کی عظمت بھی اس کے پیش نظر ہے۔ قرآن ایک سہی لیکن تیس پاروں اور ہزاروں آیات
ر بٹا ہوا ہے تو پھر وہ کیوں نہ ایک کہلا کر مختلف فرقوں میں بٹ جائے۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں (۱) کلمۂ طیبہ یعنی وحدانیت اور رسالت کا اقرار بہ قلب و زبان اور ذریعۂ
ل (۲) نماز (۳) روزہ (۴) زکوٰۃ (۵) حج۔ قابلِ فخر ہے کہ مسلمان قوم اسلام کے کسی رکن سے منہ نہیں موڑتی۔

اسلام کا پہلا رکن کلمۂ طیبہ ہے ہر مسلمان اسے زبان سے ادا کرتا ہے اور اللہ ہی کو نفع اور نقصان
کا مالک اور قادر جانتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وقت آنے پر بزرگانِ دین کے مزاروں غوث پاک کے جھنڈوں
کو علموں کو حتیٰ کہ حکومت کو ہر صاحبِ اقتدار کو شریک خدائی کر بیٹھتا ہے۔ ہر ایک کے سامنے سر تسلیم
خم کر دیتا ہے۔ مگر اس میں مسلمان کا کیا قصور اس کا گناہ تو ابلیس کے سر ہے اس پر لعنت بھیجی جانی چاہیئے
نہ کہ اس قوم پر جو خدا کو واحد مانتی اور کسی کو اس کی ذات میں شریک کرنے کو گناہ سمجھتی ہے۔ یہ اور بات
ہے کہ دنیوی اغراض اور معاشی خوش حالی کے لئے وہ نرسو اور شیخ سدو کو مان لیتی ہے۔ اگر

شیخ سدو کی عقیدت میں گرفتار کوئی ؎ نرسو راجہ کی محبت کا ہے بیمار کوئی

تو اس کا گناہ مسلمان کے سر پر کیسے عائد ہو سکتا ہے۔ شیخ سدو اور نرسو کے سر پر کیوں نہ رکھ دیا جائے
اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے۔ مسلمانوں کی ایمانی قوت کا مظاہرہ کیا وہ مسجدیں نہیں کر رہی ہیں جن کو
وہ آئے دن کئی منزلہ بنا رہا ہے۔ اور دلہنوں کی طرح سجا رہا ہے۔ انہیں بقعہ نور بنا رہا ہے

اگر مسجدوں میں تبلیغیں بھی ہو رہی ہیں اور کمیٹیوں میں جھگڑے تو وہ کیا کرے وہ تو ابلیس مچا رہا ہے
یا پانچ وقت کی نماز پڑھنے کے بعد بھی مسلمان آلودۂ گناہ ہے تو اس کی سزا تو حضرت ابلیس کو ملنی چا
جب کہ اسلام کا آغاز تھا دنیا کسی لحاظ سے ترقی پذیر نہ تھی مٹی کی کچی دیواریں تھیں کھجور کے پتوں کا
کا چھت تھا۔ مسجدیں راتوں کو تاریکی میں ڈوب جاتی تھیں۔ خیر یہ حسنِ اتفاق ہوگا کہ اس تاریک
کچی مٹی کی دیواروں کی مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے قلب منور اور روح تاباں تھے خوفِ خدا
روزِ محشر سے لرز اٹھتے تھے، خدا کے غریب و بے بس بندوں کو دیکھ کر ان کا دل اس قدر نرم تھا کہ خود
پر پتھر باندھ کر اس کا پیٹ بھر دیتے اور ان کی حاجتیں روا کر دیتے تھے۔ دور ترقی کرتا گیا۔ مسجد
کی پختہ دیواروں اور پختہ چھت کے نیچے نمازیں ادا ہونے لگیں۔ اب دل بھی چھت اور دیواروں کی طر
سخت اور گناہوں میں پختہ ہونے لگے، اس میں غریب مسلمان کا کیا قصور، ایمان کی حرارت والوں کا
تو دم بھر میں پختہ آر سی سی کی کئی منزلہ مسجدیں بنانا اور انہیں آراستہ اور بقعۂ نور بنا دینا ہے۔ اگر
دل پرانا پاپی ہے اور حضرت ابلیس اسے نمازی بننے نہ دیں تو آج کے باشعور مسلمان کا کیا قصور ہوگا
پہلے کی مسجدیں گرمی سے تپتی تھیں اور نماز پڑھنے والوں کے دل ایمان کی گرمی سے تپتے اور نورِ الٰہی سے روشن
رہتے تھے۔ لیکن آج کے ترقی یافتہ سائنس کے دور کے باشعور مسلمانوں نے مسجدوں کو برقی پنکھوں
اور ایرکنڈیشنڈ بنا کر ٹھنڈا کرنا اور برقی روشنی سے منور کرنا سیکھ لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب اس حرا
ایمانی کو برقی پنکھے اور ایرکنڈیشنڈ مسجدیں ٹھنڈا کر رہی ہوں اور برقی روشنی کے آگے ایمانی روشنی کی ضر
نہ سمجھی جائے تو اس کا گناہ سائنس اور سائنسدانوں کے سر جائے گا نہ کہ مقدس باشعور مسلمان قوم کے سر
یوں بھی دیکھا جائے تو سائنس کا واقعی مسلمان قوم پر بے حد احسان ہے۔ پہلے کے دور میں بھی اذ
ہوتی تھی جس کی آواز مسجد ہی کے در و دیوار سے ٹکرا کر مسجد میں ہی دفن ہو جاتی تھی اور اس کا گذر کس
طرح آسمانوں تک ممکن نہ تھا۔ آج کی اذان لاؤڈ اسپیکر سے دی جاتی ہے جو سیدھے عرش تک پہ
جاتی ہے جسے سن کر اللہ پاک بھی خوش ہو جاتے ہیں یہ اور بات ہے کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

ع رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

پہلے گھڑیال نہ تھی مگر لوگ وقت پر مسجد کی در و دیوار سے ٹکرا کر مسجدوں میں دفن ہو جانے والی اذ
ان آواز سن کر مسجدوں میں آ جاتے تھے ——— اب ہاتھ پر اور دیوار پر گھڑی لگی ہے
لاؤڈ اسپیکر کی عرش پر پہنچنے والی اذان کی آواز بھی مسلمانوں کی اکثریت کو مسجدوں میں داخل کر
قاصر ہے تو یہ سائنس کی اس ایجاد کا ہی قصور سمجھا جائے گا یعنی لاؤڈ اسپیکر کی خامی جو نہ مسلمانوں

دل پر اثر کرتی ہے اور نہ مسجدوں میں لے آتی ہے۔ پھر مسجدوں میں عالم دین واعظ قوم اپنا حق برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔ مواعظہ حسنہ کا بھی سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ مگر اس سے مسلمانوں کو ایمان کی دولت نصیب نہ ہو رہی ہو تو اسمیں عالی مقام واعظِ قوم اور ذی وقار عالم دین کا کیا قصور۔ اُنکے گھر تو سیم وزر و دولت کی چمک سے آنکھوں کو چکا چوند کر رہے ہیں۔ اب رہا علامہ اقبال کا کہنا کہ

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

یا علامہ اقبال فرمادیں کہ ع "فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی" تو واعظِ قوم اور عالم دین یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ سر علامہ اقبال تھے لہٰذا بے سر و پیر کی کہہ گئے۔

نماز کے لئے حضوری قلب کا جہاں تک سوال ہے اگر یہ کہا جائے کہ پرانے دور کے مسلمانوں کو نصیب تھی تو اسمیں اس دور کے مسلمانوں کا کیا قصور۔ یہ سائنس کا دور ہے۔ اب پیدل اور بیلوں کا سفر رہا نہ اونٹوں کا۔ ہوائی جہاز کے سفر کا دور ہے اور راکٹ بہت تیزی سے فاصلہ طے کرتے ہیں، پھر یہ شو یعنی دکھاوے اور شور کی صدی ہے۔ مشینوں کا شور، خواہشات کا شور، سینماؤں کا شور، ریل گاڑیوں کا شور، ہوائی جہازوں کا شور، بہرحال شور ہی شور ہے۔ اس شور کے دور کا مسلمان حضوریٔ قلب نمازوں میں آہستگی اور باقاعدگی کہاں سے لائے۔ نماز پڑھ کر اور ارکانِ اسلام کے ہر رکن کی تیزی اور شور کے ساتھ ادائی اور دکھاوے کا شو اور شور نہ مچائے تو آخر کیا کرے؟ آخر اس سلسلہ میں اس پر گناہ عائد ہوسکتا ہے یا سائینس پر جس نے شور مچا رکھا ہے۔

اسلام کا تیسرا رکن روزہ ہے۔ مسلمان رمضان میں کس قدر پکا مسلمان بن جاتا ہے۔ ہر طرف روزہ کا شو اور شور، پیغمبر اسلامؐ نے پہلی صدی کے مسلمانوں کے سامنے فرمایا کہ اگر روزہ دار صرف کھانا پینا چھوڑ دے اور برائیوں سے پرہیز نہ کرے تو خدا کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔ آج باشعور سائنس کے دور کا مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ یہ حدیث ضعیف بھی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا کھانا پینا چھوڑنے کا نام ہی روزہ سمجھتا ہے واقعی رمضان کا ماہ کس قدر بابرکت اور نورانی ماہ ہوتا ہے، اور خدا کی برکتیں نازل ہونے کا ماہ، شب قدر بھی اپنے میں رکھتا ہے، پھر مسلمان اس کی قدر میں کمی بھی تو نہیں کرتے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے دکھاوے میں بھی کہاں پیچھے رہتے ہیں۔ مسجدوں کی آہک پاشی کرکے اسے سفیدی سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے۔ مسجدیں بقعہ نور بنا دی جاتی ہیں۔ تو قلب کی صفائی اور روح کی جِلا اس سائینس کے دور میں کیسے ضروری قرار دی جاسکتی ہے؟ جب مسجدوں کو اس قدر بقعہ نور بنا دیا جاتا ہے تو اس کے دیکھنے کے بعد خدا کے نور کو دیکھنے کی خواہش

اگر مسجدوں میں تبلیغیں بھی ہو رہی ہیں اور کمیٹیوں میں جھگڑے تو وہ کیا کرے وہ تو ابلیس مچا رہا ہے
پانچ وقت کی نماز پڑھنے کے بعد بھی مسلمان آلودہ گناہ ہے تو اس کی سزا تو حضرت ابلیس کو ملنی چاہیے
جب کہ اسلام کا آغاز تھا دنیا کسی لحاظ سے ترقی پذیر نہ تھی مٹی کی کچی دیواریں تھیں کھجور کے پتوں کا م
کا چھت تھا۔ مسجدیں راتوں کو تاریکی میں ڈوب جاتی تھیں۔ خیر یہ حسن اتفاق ہو گا کہ اس تاریک
کچی مٹی کی دیواروں کی مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے قلب منور اور روح تاباں تھے خوف خدا
روز محشر سے لرز اٹھتے تھے، خدا کے غریب دبے بس بندوں کو دیکھ کر ان کا دل اس قدر نرم تھا کہ خود
پر پتھر باندھ کر اس کا پیٹ بھر دیتے تھے اور ان کی حاجتیں روا کر دیتے تھے۔ دور ترقی کرتا گیا۔ مسج
کی پختہ دیواروں اور پختہ چھت کے نیچے نمازیں ادا ہونے لگیں۔ اب دل بھی چھت اور دیواروں کی ط
سخت اور گناہوں میں پختہ ہونے لگے، اس میں غریب مسلمان کا کیا قصور، ایمان کی حرارت والوں کا
تو دم بھر میں پختہ آرسی سی کی کئی منزلہ مسجدیں بنانا اور انہیں آراستہ اور بقعۂ نور بنا دینا ہے۔ اگ
دل پرانا پاپی ہے اور حضرت ابلیس اسے نمازی بننے نہ دیں تو آج کے باشعور مسلمان کا کیا قصور ہو
پہلے کی مسجدیں گرمی سے تپتی تھیں اور نماز پڑھنے والوں کے دل ایمان کی گرمی سے تپتے اور نور الٰہی سے رو
رہتے تھے۔ لیکن آج کے ترقی یافتہ سائنس کے دور کے باشعور مسلمانوں نے مسجدوں کو برقی پنکھوں
اور ایرکنڈیشنڈ بنا کر ٹھنڈا کرنا اور برقی روشنی سے منور کرنا سیکھ لیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب اس حر
ایمانی کو برقی پنکھے اور ایرکنڈیشنڈ مسجدیں ٹھنڈا کر رہی ہوں اور برقی روشنی کے آگے ایمانی روشنی کی ض
نہ سمجھی جائے تو اس کا گناہ سائنس اور سائنسدانوں کے سر جائے گا نہ کہ مقدس باشعور مسلمان قوم کے سر
یوں بھی دیکھا جائے تو سائنس کا ذاتی مسلمان قوم پر بے حد احسان ہے۔ پہلے کے دور میں بھی اذ
ہوتی تھی جس کی آواز مسجد ہی کے در و دیوار سے ٹکرا کر مسجد میں ہی دفن ہو جاتی تھی اور اس کا گذر کس
طرح آسمانوں تک ممکن نہ تھا۔ آج کی اذان لاؤڈ اسپیکر سے دی جاتی ہے جو سیدھے عرش تک پہ
جاتی ہے جسے سن کر اللہ پاک بھی خوش ہو جاتے ہیں یہ اور بات ہے کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

ع رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

پہلے گھڑیال نہ تھی مگر لوگ وقت پر مسجد کی در و دیوار سے ٹکرا کر مسجدوں میں دفن ہو جانے والی اذ
کی آواز سن کر مسجدوں میں آ جاتے تھے ـــــــ اب ہاتھ پر اور دیوار پر گھڑی لگی ہے
لاؤڈ اسپیکر کی عرش پر پہنچنے والی اذان کی آواز بھی مسلمانوں کی اکثریت کو مسجدوں میں داخل کر
سے قاصر ہے تو یہ سائنس کی اس ایجاد کا ہی قصور سمجھا جائے گا یعنی لاؤڈ اسپیکر کی خامی جو نہ مسلمانوں

دل پر اثر کرتی ہے اور نہ مسجدوں میں لے آتی ہے۔ پھر مسجدوں میں عالم دین واعظ قوم اپنا حق برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔ مواعظہ حسنہ کا بھی سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ مگر اس سے مسلمانوں کو ایمان کی دولت نصیب نہ ہو رہی ہو تو اسمیں عالی مقام واعظِ قوم اور ذی وقار عالم دین کا کیا قصور اُنکے گھر تو سیم و زر و دولت کی چمک سے آنکھوں کو چکا چوند کر رہے ہیں۔ اب رہا علامہ اقبالؔ کا کہنا کہ ؎

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

یا علامہ اقبالؔ فرمادیں کہ ع　"فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی"　تو واعظِ قوم اور عالم دین یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ سر علامہ اقبالؔ تھے لہٰذا بے سر و بیر کی کہہ گئے۔

نماز کے لئے حضوریٔ قلب کا جہاں تک سوال ہے اگر یہ کہا جائے کہ پرانے دور کے مسلمانوں کو نصیب تھی تو اسمیں اس دور کے مسلمانوں کا کیا قصور یہ سائینس کا دور ہے۔ اب پیدل اور بنڈیوں کا سفر رہا نہ اونٹوں کا۔ ہوائی جہاز کے سفر کا دور ہے اور راکٹ بہت تیزی سے فاصلہ طے کرتے ہیں' پھر یہ شو یعنی دکھاوے اور شور کی صدی ہے۔ مشینوں کا شور' خواہشات کا شور' سینماؤں کا شور' ریل گاڑیوں کا شور' ہوائی جہازوں کا شور' بہرحال شور ہی شور ہے اس شور کے دور کا مسلمان حضوریٔ قلب نمازوں میں آہستگی اور باقاعدگی کہاں سے لائے۔ نماز پڑھ کر اور ارکانِ اسلام کے ہر رکن کی تیزی اور شور کے ساتھ ادائی اور دکھاوے کا شو اور شور نہ مچائے تو آخر کیا کرے؟ آخر اس سلسلہ میں اس پر گناہ عائد ہو سکتا ہے یا سائینس پر جس نے شور مچا رکھا ہے۔

اسلام کا تیسرا رکن روزہ ہے۔ مسلمان رمضان میں کس قدر پکا مسلمان بن جاتا ہے۔ ہر طرف روزہ کا شو اور شور' پیغمبر اسلامؐ نے پہلی صدی کے مسلمانوں کے سامنے فرمایا کہ اگر روزہ دار صرف کھانا پینا چھوڑ دے اور برائیوں سے پرہیز نہ کرے تو خدا کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔ آج باشعور سائینس کے دور کا مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ یہ حدیث ضعیف بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کھانا پینا چھوڑنے کا نام ہی روزہ کہتا ہے سمجھتا ہے واقعی رمضان کا ماہ کس قدر بابرکت اور نورانی ماہ ہوتا ہے' اور خدا کی برکتیں نازل ہونے کا ماہ' شب قدر بھی اپنے میں رکھتا ہے' پھر مسلمان اس کی قدر میں کمی بھی تو نہیں کرتے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے دکھاوے میں بھی کہاں پیچھے رہتے ہیں۔ مسجدوں کی آہک پاشی کر کے اسے سفیدی سے ہمکنار کر دیا جاتا ہے۔ مسجدیں بقعہ نور بنا دیجاتی ہیں۔ تو قلب کی صفائی اور روح کی جلا اس سائینس کے دور میں کیسے ضروری قرار دی جا سکتی ہے؟ جب مسجدوں کو اس قدر بقعہ نور بنا دیا جاتا ہے تو اس کے دیکھنے کے بعد خدا کے نور کو دیکھنے کی خواہش

ہی کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ اور پھر دل میں نور ایمانی کی ضرورت پر کیوں زور دیا جائے؟۔ اس برکت والے ماہ میں برکت ہی برکت ہے، کھانے کی برکت۔ ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا۔ دیکھئے اللہ پاک نے کس طرح نوازا۔ اخبار ہاتھ میں لیجئے۔ یا باہر نکل جائیے اونٹ کا گوشت کھانا سنت ہے، اور مسلمان کو اس ماہ میں اس سنت پر عمل کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ پھر مقوی بہ لذت کھانے کے اشتہارات، ہریس حلیم مرغ کی نہاری، دو گوشتہ خاص بریانی روزہ داروں کے لئے کہ روزوں سے قوت ٹوٹنے نہ پائے۔ میوؤں کا اہتمام سحر قابل دید، افطار قابل رشک، ہوٹلیں بقعہ نور پارچہ جات کی دکانیں جگمگا رہی ہیں۔ ان کی تجوریوں کا پیٹ اس قدر حلق تک بھر گیا ہے کہ انہیں قئے پر قئے ہو رہی ہے اور مسلمان کس قدر انہماک سے خریدی میں مصروف ہیں۔ اس متبرک ماہ میں مسلمان کو دیکھنا ہو تو بس تا بیس منٹ پانچ وقت مسجدوں میں دیکھئے اور پھر پارچہ جات کی جوتوں کی سوئیوں کی عطر کی بہر حال وغیرہ وغیرہ کی دوکانوں پر تلاش فرمائیے۔ اور بوقت افطار مسجد میں میوہ اور افطار کی رکابی کے سامنے آپ ضرور موجود پائیں گے۔

بعد نماز مغرب و تراویح ہوٹلوں کے نصیب ان روزہ داروں کے بابرکت قدموں سے جاگ جاتے ہیں۔ ہاں اس قوم کی حیائی غیور اور شرم و حیا کی پتلیوں کو بھی آپ مندرجہ بالا مقامات پر ضرور اپنی ماں بہنوں اور بیٹیوں کا تصور فرماتے ہوئے دیدار فرما سکتے ہیں۔ بالخصوص رمضان المبارک کے آخری دہے میں یہ پاکیزہ شرم و باحیا روزہ دار خواتین لارڈ بازار میں مردوں سے کندھے سے کندھا ملا کر چلتے، مہندی اور آرائش کا سامان خریدتے ہوئے اور اپنے نازک نازک ہاتھوں کو جوڑا پہنانے کے لئے نوجوانوں کے ہاتھوں کے حوالے کرتے ہوئے دیکھ کر بھی آپ کو بے انتہا خوشی ہوگی۔

ہاں ــــ یہ ماہ مبارک قرآن والا ماہ ہے یعنی قرآن مسلمانوں کے سننے کے لئے نازل ہوا ہے یا پڑھنے کے لئے لہذا آج کا مسلمان قرآن کا بھی حق اس ماہ میں ادا کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ کوئی تراویح میں ایک یا سوا پارہ سن لیتا ہے۔ کوئی تیز اور مصروف مسلمان شبینہ میں یعنی ایک ہی رات میں قرآن کامل سن کر اس کا حق ادا کر دیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کھڑے کھڑے اونگھ رہا ہو، خیالات کے سمندر میں غوطہ زن ہو۔ یا قرآن کی آواز ایک کان سے داخل ہو رہی ہو تو خود بخود دوسرے کان سے نکل رہی ہو پھر وہ معنی و مطلب کو سمجھے بھی تو کیسے؟ وہ عربی میں ہیں۔ بعض مسلمان تو قرآن کا حق ادا کرنے کی انتہا کر دیتے ہیں۔ یعنی قرآن پر قرآن ختم کر دیتے ہیں پھر زملتے ہیں کتنے قرآن یعنی ایک دو تین ختم کئے جب قرآن کو ختم ہی کر دیا وہ بھی کئی بار تو اس کے معنی مطالب خود ہی ختم ہو گئے، جب خود ذمہ ہی ختم ہو گیا تو نہ سر رہا نہ درد سر کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اب بے چارہ مسلمان قرآن پر عمل نہ کرے

س کا کیا قصور ــــ!

رمضان المبارک کے دلفریب نظاروں میں خصوصاً جمعتہ الوداع کو مکہ مسجد والی سمنٹ روڈ پر نماز
ڈمگی۔ پولیس کے انتظامات راستوں کا صبح ہی سے روک دیا جانا، ٹرافک کی پریشانیاں مسلمانوں
لمت رعب، شان و دبدبہ تعداد و اکثریت کا کن کن انداز سے مظاہرہ کرتی ہیں۔ کس قدر خوش نصیب
ہوتا ہے جمعتہ الوداع کا کہ ہر وہ شخص جو نماز پڑھتا ہو یا نہ پڑھتا ہو، آج مکہ مسجد کے سامنے سمنٹ روڈ
ضر ہے۔ اور اس دن کی مقدس نماز جمعہ اس کو ایک سال کی نمازوں کی ادائی کے لئے چھٹی عطا کرنے کی
ن رکھتی ہے۔ بہرحال یہ مشینوں اور سیاست کا دور ہے ہر طرف شور ہی شور ہے۔ نمازوں کا شور، سحر کا
، سائرن کا شور، افطار کا شور، خرید و فروخت کا شور، ہوٹلوں میں شور، راستوں میں روزہ داروں کی
ہاتھ پر خریدی کا شور، بہرحال اس نورانی مقدس ماہ میں شور ہی شور۔

اسلام کا چوتھا رکن زکواۃ ہے۔ یہہ تو سب پر فرض نہیں صرف صاحب نصاب پر فرض ہے۔
ال اس کا بھی ایک شور ہے۔ جو ماہ رمضان المبارک میں اہل ثروت غریبوں کو پارچہ و ساڑیاں بانٹ کر
تے ہیں اور یہہ ضعیف و ناتواں کمزور عورتوں کے ساڑیوں کے حاصل کرنے میں کچلے جانے کی اطلاعات
ل ہونے اور پارچہ جات نہ ملنے کی صورت میں مایوس لوٹ جانے کا ماہ ہے۔ زکواۃ کا مطلب مسلمانوں
معاشی پستی کو دور کرنا ہے۔ اس دور میں زکواۃ شو اور دکھاوے اور شور مچانے کے لئے دیجاتی ہے۔ تو
رے مسلمان کا کیا قصور شور اور شور ہی اس دور کا بنیادی کردار ہے۔ مدینہ جانے کے بعد آنحضرت
اللہ علیہ وسلم کا پہلا مسلمانوں پر ناقابل فراموش احسان یہہ تھا کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور
، چارگی کے رشتہ میں جوڑ دیا۔ اس بھائی چارگی کی شراب کے نشہ نے وہ کام کیا کہ مالدار بھائی نے نادار بھائی
ینے سے لگالیا۔ اپنے مال و دولت مکان سے نصف دے ڈالا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ دو بیویاں رکھنے
بھائی نے ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسرے بھائی سے نکاح کروادیا۔ مگر یہ پرانے دور کی داستانیں
۔ آج کا باشعور تعلیم یافتہ سائنس کے نذر کا مسلمان ہے۔ اس کے پاس وقت ہی کہاں ہے کہ
ین کے حقوق رشتہ داروں کے حقوق انسان پر انسان کے حقوق، مسلمان پر مسلمان کے حقوق سے
نیت حاصل کرسکے۔ اور اگر نہ کرسکے تو بے چارے مسلمان پر گناہ کیسے لازم آئے گا۔ سارا گناہ
ئینس اور سیاستدانوں کے سر کیوں نہ جائے جس نے مسلمان کو مادی عقل سے نوازا اور سیاستداں بناڈالا
، پانچواں رکن اسلام کا حج ہے۔ ابتداء میں کچھ لکھا جاچکا ہے اور لکھنے کا ارادہ کیا ہی تھا
علامہ اقبال سامنے آکھڑے ہیں اور گرج رہے ہیں، بس لکھنا بس تم اس صدی کی دنیا ہے ہو

صدیوں کی کہو ——— سنو

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

علامہ اقبال ایک لمحہ تھمے ——— پھر گرج کر فرما رہے ہیں "اس قدر لکھنے سے کیا حاصل۔ مسلمان کے لئے اس قدر کہہ دینا کافی نہیں کہ ———

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تو باقی نہیں ہے
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغ بے نیام

اس گرجدار آواز کے سامنے قلم رکھ دینے پر مجبور ہوں۔ خدا حافظ

فقط

جمیل صدیقی
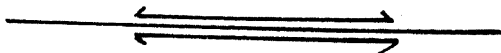
علامہ اقبال اور کل کا مومن اور آج کا مسلمان

مسلم، مسلمان اور مومن کی تعریف

ہر مسلمان اپنے آپ کو توحید پرست اور رسولِ خدا صلعم کا غلام وامتی ہونے کا دعویٰ کر کے خوش ہے۔ مسلم کے معنی ہیں "طاعتِ خدا میں گردن رکھنے والا۔ تسلیم کیا ہوا۔ درست۔ اور تسلیم کرنے والا۔" اسلام کے معنی ہیں طاعت خدا میں گردن رکھ دینا۔ مسلمان کے معنی ہونگے مذہب اسلام کا پیرو یعنی اللہ کی اطاعت میں گردن رکھ دینے والا فرمانبردار۔ مومن سے مراد ہے ایمان لانے والا یعنی ایمان جس کے دل میں گھر کر جائے۔ ان معنوں سے صاف ظاہر ہو گیا کہ مسلمان کا قدم بلا منشاء احکام الٰہیہ و احکام رسول صلعم کبھی قصداً نہیں اٹھے گا اور منشاء الٰہی اور شریعت محمدیؐ کے سامنے ہمیشہ اس کی گردن بغرض عمل بے چوں و چرا خم رہیں گی۔ پس بس کسوٹی پر ہر مسلمان کو اپنے آپ کو جانچنا اور پرکھنا ہوگا۔

اسلام ایک ایسا جامع مذہب ہے جو مسلمان کے کندھوں پر ایک طرف اللہ کا حق ادا کرنے کی ذمہ داری ڈالتا ہے تو دوسری جانب مسلمان پر مسلمانوں کے حقوق، والدین کے حقوق، ہمسایہ کے حقوق، انسانوں کے حقوق، مخلوق خدا کے حقوق اور کردار کی حفاظت کی بھاری ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔ کیا آج کا مسلمان ان سب ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہمارے اسلاف سے ہمیں کیا نسبت ہے۔ علامہ اس طرح تقابل کرتے ہیں۔

ہمارے اسلاف تھے مومن

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تو نے؟ ؎ وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں ؎ کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا!

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی ؎ کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

تمدن آفریں، خلاقِ آئینِ جہاں داری ؎ وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارا

سماں الفقر و فخری کا رہا شانِ امارت میں ؎ بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے ؎ کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے ؎ جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا

اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں ؎ مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

مسلمان و مومن کی تعریف اور مقام و شان

مسلمان کی تعریف

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے ٭ یہ ہے نہایت اندیشہ و کمالِ جنوں!
طلوع ہے صفتِ آفتاب اس کا غروب ٭ یگانہ اور مثالِ زمانہ گوناگوں!
نہ اس میں عصرِ رواں کی حیا سے بیزاری ٭ نہ اس میں عہدِ کہن کے فسانہ و افسوں!
حقائقِ ابدی پر اساس ہے اس کی ٭ یہ زندگی ہے، نہیں ہے طلسمِ افلاطوں!
عناصر اس کے ہیں روح القدس کا ذوقِ جمال ٭ عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوزِ دروں!
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت ٭ یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان!
ہمسایۂ جبریلِ امین بندۂ خاکی ٭ ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان!
مسلمانوں کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا ٭ مروت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا
نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے ٭ جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے
ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو ٭ فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
طبعِ مسلم از محبت قاہر است ٭ مسلم ار عاشق نباشد کافر است

ترجمہ: مسلمان کی فطرت بربناءِ محبت قہاریت (کسی پر ظلم ہوتا دیکھ کر) اختیار کرتی ہے مسلمان عاشق نہ ہو تو وہ کافر ہے۔

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست ٭ پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

ترجمہ: مسلمان اللہ کے سوا کسی کا بندہ و غلام نہیں ہوتا، وہ کسی بھی فرعون نما ہستی کے آگے سر خم نہیں کرتا

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی ٭ یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی!
دنیا میں محاسب ہے تہذیبِ فسوں گر کا ٭ ہے اس کی فقیری میں سرمایۂ سلطانی

مومن کی تعریف

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے ٭ مومن کا مقام ہر کہیں ہے
بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری ٭ میرے لئے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث ٭ مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن ٭ قدم اٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں!

بندۂ مومن کا دل بیم و ریا سے پاک ہے ؛ قوتِ فرماں روا کے سامنے بیباک ہے
ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش ؛ میں بندۂ مومن ہوں نہیں دانۂ اسپند!
کافر ہے مسلمان تو نہ شاہی نہ فقیری ؛ مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی!
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا ؛ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی!
کافر ہے تو ہے تابع تقدیرِ مسلماں ؛ مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی!
جہاں تمام ہے میراثِ مردِ مومن کی ؛ میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک
علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لئے ؛ لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے
کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ؛ مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ ؛ غالب و کار آفریں کارکشا کارساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات ؛ ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو ؛ رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں ؛ اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ ؛ حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن ؛ نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

(۱) مومن از عزم و توکل قاہر است ؛ گر نہ دارد ایں دو جوہر کافر است
(۲) خیر را او باز داند از شر ؛ از نگاہش عالمے زیر و زبر
(۳) مردِ مومن از کمالاتِ وجود ؛ او وجود و غیر او ہر شئے نمود

ترجمہ: (۱) مومن اپنے عزم، ہمت، خدا پر توکل کی بناء پر زبردست ہے۔ جس میں یہ دو جوہر یعنی یہ دو اوصاف نہ ہوں وہ کافر ہے۔

(۲) مومن ہمیشہ خیر سے شر کو الگ جانتا ہے اور مومن کے ایک معمولی اشارے پر یہ عالم زیر و زبر ہو جاتا ہے۔

(۳) مردِ مومن کا وجود اللہ پاک کے کمالات سے وابستہ رہتا ہے۔ سوائے مومن کے وجود کے باقی سب دکھاوا ہے۔

مومن کی فطرت (دنیا میں)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم ؛ رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!
افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش ؛ خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

بجھتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں ؛ جبرئیل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

(جنت میں) کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن ؛ حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

مسلم کی پیدائش کا مقصد وہمت مسلم

جون ۱۹۱۲ء میں مسلم پر بانگ درا میں علامہ اقبال نے اٹھارہ اشعار لکھے ہیں ان میں سے چند پیش ہیں۔

نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے ؛ اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے

حق نے عالم اس صداقت کے لئے پیدا کیا ؛ اور مجھے اس کی حفاظت کے لئے پیدا کیا

دہر میں غارت گر باطل پرستی میں ہوا ؛ حق تو یہ ہے حافظ ناموس ہستی میں ہوا

میری ہستی پیرہن عریانی عالم کی ہے ؛ میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے

قسمت عالم کا مسلم کوکب تابندہ ہے ؛ جس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ ہے

آشکارا ہیں مری آنکھوں پہ اسرار حیات ؛ کہہ نہیں سکتے مجھے نومید پیکار حیات

کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے ؛ ہے بھروسہ اپنی ملت کے مقدر پر مجھے

یاس کے عنصر سے ہے آزاد میرا روزگار ؛ فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار

شانِ مومن

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن ؛ گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان!

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ؛ قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!

قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے ؛ دنیا میں میزان، قیامت میں بھی میزان!

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم ؛ دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز ؛ آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمن!

بنتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم ؛ لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

آج کے مسلمان

ہم آج کے مسلمان عبادت الٰہی میں مکمل نہ حقوق العباد کی تکمیل سے ہم کو کوئی سروکار۔ کردار کا یہ حال ہے کہ جھوٹ ہمارا شیوۂ زندگی، مکر و فریب ہماری سیاست، دھوکہ دینا، دانشمندی کا تقاضا، ناجائز دولت

حصول فراغت دنیا کے لئے باعثِ عقلمندی۔ غیبت یعنی مردہ بھائیوں کا گوشت ہماری من بھاتی
ا۔ صداقت سے گریز اور ریاکاری طرۂ امتیاز۔ آپسی اختلافات و ٹکراؤ اور غضب کا اپنوں پر
ہار ہماری زندگانیوں کا معمول، دکھاوے کا اسلام اور دل الحاد و کفر سے خوگر رسول خدا صلعم کے
ی ہونے کا دعویٰ مگر دراصل امتی بن کر باعثِ رسوائی پیغمبر۔ فقر سے ناآشنا۔ دولتِ دینی و
وی سے محروم۔ دولتِ دنیوی حاصل بھی ہو جائے تو دولت دنیوی کے استعمال سے ناواقف اور
ت پہ اسراف کا قبضہ یا بخالت کی مُہر گویا جن بن کر دولت پر قابض ـــــــ کردار سے سراپا
دم، سراپا گفتار بن کر دنیا پر چھا جانے کی دھن مگر حقیقی جینے، ولذاتِ زندگی سے محروم گویا خودکشی
ے اپنے ہاتھوں آپ مرتکب۔ اخوت ایثار سے نابلد۔ بے حیائی زندگی میں جاری و ساری۔
س کشی داخل نطرت۔ غیرت خودی وخواری کے نام سے ناآشنا گویا اسلاف کی مکمل ضد اسلاف
ے مکمل تضاد۔

علامہ اقبال یوں اسلاف سے آج کے مسلمان کا تقابل کرتے ہیں۔

کل کے مومن اور آج کے مسلمان کا تقابل

خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خوددار ؎ تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار ؎ تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بکنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت انکی ؎ نقش ہے صفحہ ہستی پہ صداقت ان کی
تم ہو آپس میں غضبناک وہ آپس میں رحیم ؎ تم خطاکار و خطابیں وہ خطاپوش و کریم
درِ تقدیر تھی مسلم کی صداقت بے باک ؎ عدل اس کا تھا قوی لوث مراعات سے پاک
شجر فطرت مسلم تھا حیا سے نم ناک ؎ تھا شجاعت میں ایک ہستی فوق الادراک
ہر مسلماں رگ باطل کے لئے نشتر تھا ؎ اس کے آئینہ ہستی میں عمل جوہر تھا
جو بھروسہ تھا اسے قوتِ بازو پر تھا ؎ ہے تمہیں موت کا ڈر ان کو خدا کا ڈر تھا

(۱)

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش ؎ مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن تصوف شریعت کلام ؎ بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی ؎ یہ امت روایات میں کھو گئی

لبھاتا ہے دل کو کلام خطیب ؛ مگر لذت شوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے الجھا ہوا ؛ لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد ؛ محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا ؛ یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے ؛ مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

(۲)

تیرا اے قیس کیوں کر ہوگیا سوز دروں ٹھنڈا ؛ کہ لیلی میں تو ہیں ابتک وہی انداز لیلائی
یہ مرقد سے صدا آئی حرم کے رہنے والوں کو ؛ شکایت تجھ سے ہے اے تارک آئین آبائی
یہ تخم کا الا ہے تیری زمین شور سے پھوٹا ؛ زمانے بھر میں رسوا ہے تیری فطرت کی نازائی
تجھے معلوم ہے غافل کہ تیری زندگی کیا ہے ؛ کشتی ساز معمور نوا ہائے کلیسائی
ہوئی ہے تربیت آغوش بیت اللہ میں تیری ؛ دل شوریدہ ہے لیکن صنم خانہ کا سودائی
وفا آموختی از ماکار دیگراں کردی ؛ ربودی گوہرے از ما نثار دیگراں کردی

علامہ فرماتے ہیں ——— آہ اے بدنصیب مسلمان

مصلحتاً کہہ دیا میں نے مسلمان تجھے ؛ تیرے نفس میں نہیں گرمئ یوم النشور!
خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم ؛ عشق ہو جس کا جسور فقر ہو جس کا غیور
اسکی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے ؛ قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف
خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل ؛ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
قوموں کی حیات ان کے تخیل پہ ہے موقوف ؛ یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغ چمن کو
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری ؛ تیرے بدن میں اگر سوز لا الہ نہیں!
خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں ؛ یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا
تیرے محیط میں کہیں گوہر زندگی نہیں ؛ ڈھونڈ چکا میں موج موج دیکھ چکا صدف صدف
عشق بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوب جا ؛ نقش و نگار دیر میں خون جگر نہ کر تلف
تیرا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ؛ تیری پرواز لولاکی نہیں ہے
یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری ؛ تیری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے!

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری!
رہا صوفی گئی روشن ضمیری

خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری!

تیرے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
تیرا دم گرمیٔ محفل نہیں ہے

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے

محبت کا جنوں باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خوں باقی نہیں ہے

صفیں کج، دل پریشاں سجدہ بے ذوق
کہ جذبۂ اندروں باقی نہیں ہے

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

علامہ اقبال آج کے مسلمان کی مزید تشریح فرماتے ہیں

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

اے رہروِ فرزانہ بے جذبِ مسلمانی
نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقیں نمناک

یہ کافری تو نہیں، کافری سے کم بھی نہیں
کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضر و موجود

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

غافل نہ ہو خودی سے کر اپنی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ کردارِ قاہرانہ!

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے؟
فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوزِ مشتاقی!
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی!

مسلمانوں کا ہندی اسلام

ہے زندہ فقط وحدتِ افکار سے ملت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقلِ خداداد

اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد

مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت ٭ ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

مسلمانانِ ہند کو از خود آزادی مذہب

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے ٭ حرّیتِ افکار کی نعمت ہے خداداد

چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ پارس ٭ چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد

قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر ٭ چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا ٭ اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

مسلمانِ ہند کو علامہ کی نصیحت

دلِ مردہ دل نہیں ہے، اسے زندہ کر دوبارہ ٭ کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

ترا بحر پر سکوں ہے! یہ سکوں ہے یا فسوں ہے ٭ نہ نہنگ ہے، نہ طوفان، نہ خرابیِ کنارہ!

تو ضمیرِ آسماں سے ابھی آشنا نہیں ہے ٭ نہیں بے قرار کرتا تجھے غمزۂ ستارہ!

ترے نیستاں میں ڈالا مرے نغمۂ سحر نے ٭ مری خاک پے سپر میں جو نہاں تھا اک شرارہ

نظر آئے گا اسی کو یہ جہانِ دوش و فردا ٭ جسے آگئی میسر مری شوخیِ نظارہ!

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں ٭ نظر آتی ہے اُس کو اپنی منزل آسمانوں میں!

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے ٭ اُمیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

محمد جمیل الدین صدیقی
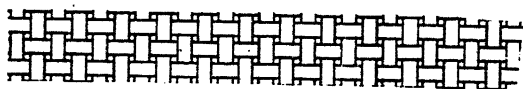
زوال پذیر مسلم قوم کی عید اور اسکی خوشیاں علامہ اقبالؒ کی نظر میں

علامہ اقبالؒ "گہرا ہے بہت جن کے خیالات کا پانی" بظاہر سب کے سامنے بیٹھے ہیں لیکن سوچ کے عمیق سمندر میں غوطہ زن ہیں ہر طرف سے ہلال عید نظر آنے کی آوازیں آرہی ہیں یہ ...جب بلند ہوتی ہیں تو علامہ چونک پڑتے ہیں اور انہیں خیال آتا ہے کہ واقعی ہر قوم کے لئے ...ئی عید و تہوار ضرور ہوتے ہیں۔ جن کو وہ بڑے اہتمام خوشی اور انبساط سے مناتے ہیں علامہ ...ں کے سامنے قوم کا ماضی اور حال ہے حال اور ماضی کے تقابل سے علامہ کے قلب کے مضراب ...ضرب پڑتی ہے۔ قوم کی تن آسانی مذہب سے دوری و بیزاری اور صرف دکھاوے کا ...ن، فرقہ آرائی، اتحاد و اتفاق کا فقدان علامہ کو بے چین کئے ہوئے ہے۔ جب حکومت ...ر کا خیال ذہن میں آتا ہے تو بے اختیار زبان سے نکلتا ہے ؎

...حکومت کا کیا رونا کہ وہ اک عارضی شئے تھی ؎ نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا

...علامہ سوچ رہے ہیں کہ خوشی جن کو عید کہتے ہیں کا معیار دراصل قوم کے اتفاق و اتحاد احکام الٰہیہ ...شریعت محمدیؐ کی پابندی میں ہے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ کو چھوڑ دینے سے حکومت بھی ...بیزاری ہے۔

...سول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا معیار تو یہ ہے کہ:

...ر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے ؎ تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

...یدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے ؎ مسلمان کو ہے تنگ وہ بادشاہی

...امہ کا ایقان ہے کہ مسلمان ملک ہی نہیں بلکہ خوشی بھی اپنے لہو یعنی محنت سے خریدتا ہے۔ ...ی بھی تابع احکام الٰہی ہوتی ہے وہ ان ہی خیالات میں گم تھے کہ کسی نے عید کے لئے شعر لکھنے ...ا حکیم الامت کا پیمانۂ صبر جو لبریز تھا چھلک پڑا۔ چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔ آپ ...غ کے درخت کا ایک برگ زرد بن کر بانگ درا میں یوں گویا ہوئے۔

یہ شالامار میں اک برگِ زرد کہتا تھا ؎ گیا موسمِ گل جس کا راز دار ہوں !
نہ پائمال کریں مجھ کو زائرینِ چمن ؎ انہیں کی شاخِ نشیمن کی یادگار ہوں میں
خزاں میں مجھ کو رلاتی ہے یادِ فصلِ بہار ؎ خوشی ہو عید کی کیوں کر سوگوار ہوں میں
اجاڑ ہو گئے عہدِ کہن کے مئے خانے ؎ گذشتہ بادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

فرمائش کرنے والوں سے علامہ کہتے ہیں تمہیں عید کی خوشی کا پیام چاہیئے تو کسی اور سے کہو۔

اوروں کا ہے پیام اور میرا پیام اور ہے ؎ عشق کے دردمندوں کا طرزِ کلام اور ہے
طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سن چکے ہو تم ؎ یہ بھی سنو کہ نالۂ طائرِ بام اور ہے

ایک جانب علامہ کی نظروں میں رسولِ خدا ﷺ اور صحابۂ کرام رضہ کا عہدِ زریں اور غلامانِ محمد ﷺ کا عہدِ عروج ہے تو دوسری جانب نظر میں آج کی قوم کا عہدِ زوال آرہا ہے تو فرماتے ہیں ؎

آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں ؎ رقص میں لیلا رہی۔ لیلا کے دیوانے رہے
وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا ؎ کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا
جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی ؎ شہر اُن کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں
خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی ؎ وہ نگاہیں نا امیدِ نورِ ایمن ہو گئیں
اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں ؎ دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہو گئیں

علامہ غمناک انداز میں ماضی کا نقشہ کھینچتے ہوئے حال پر نظر ڈال کر فرماتے ہیں عید پر شعر لکھنے کی فرمائش کی جا رہی ہے' ہلالِ عید دیکھ کر تم لوگ سمجھ رہے ہو کہ یہ ہلال پیامِ عیش و عشرت ہمیں سنا رہا ہے۔ اے نادانو! ایسا نہیں ہے بلکہ یہ ہلالِ عید تو ماضی کا ——

پیامِ عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے ؎ ہلالِ عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

یہ ہلالِ عید پوچھ رہا ہے کہ عید تو تمہارے اسلاف بھی مناتے تھے ان میں اور تم میں کیا فرق ہے۔

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلماں ہو کر ؎ اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر
حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے ؎ تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

پھر علامہ اپنے آپ کو عید کی مسرت میں شعر لکھنے سے قاصر پا کر یوں بارگاہ ایزدی میں دستِ دعا اٹھاتے ہیں۔

زوال پذیر قوم کیلئے علامہ اقبال کی دُعا

(۱)

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے ۔ جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیِ فاراں کے ہر ذرہ کو چمکا دے ۔ پھر شوقِ تماشا دے پھر ذوقِ تقاضا دے

محروم تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے ۔ دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل ۔ اس شہر کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر ۔ اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلیٰ دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو ۔ وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر ۔ خودداری ساحل دے آزادیٔ دریا دے

بے لوث محبت ہو بے باک صداقت ہو ۔ سینوں میں اُجالا کر دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر آثار مصیبت کا ۔ امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا ۔ تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

(۲)

شراب کہن پھر پلا ساقیا ۔ وہی جام گردش میں لا ساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اُڑا ۔ مری خاک جگنو بنا کر اُڑا!

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے ۔ مرا عشق میری نظر بخش دے!

خرد کو غلامی سے آزاد کر ۔ جوانوں کو پیروں کا اُستاد کر

جگر سے وہی تیر پھر پار کر ۔ تمنا کو سینوں میں بیدار کر!

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے ۔ دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے

جنسِ نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے ۔ ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

ب ہذا کے بعد حصہ دوم علامہ اقبال اور فلسفہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، اذان، نماز، روزہ مسجد
ں مسجد، ماہِ رمضان، ہلالِ عید الفطر، فلسفہ حج مسلمان اور قرآن (حصہ سوم) علامہ اقبال کی سورہ
ہو اللہ احد کی تفسیر کے یہ سورہ ترقی کا راکٹ ہے، اسکے بعد حصہ چہارم، پنجم وغیرہ ضرور مطالعہ فرمائیے۔